Lesson 3: Ibrahim (Ayaat 35- 52): Day 12 سُوۡرَةُ إبراهيم کی تفسیر

حضرت ابراہیمؑ کی مُحبت بھری دُعاؤں کے تذکرے کے بعد فرمایا!

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ۙ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ ۙ‏ ﴿۴۲﴾

اور (مومنو) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں خدا ان سے بے خبر ہے۔ وہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جب کہ (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔

یہ کون سے ظالم ہیں؟ سورۃ پوری ہو رہی ہے۔ یاد کر لیں پچھلی سورۃ, کن حالات میں نازل ہوئی تھی۔ مکہ کے آخری دور میں؛ اب دوبارہ وہ ہی انداز ہے جو پچھلی سورۃ کے اینڈ پہ تھا، کہ اے نبیﷺ ہمیں پتہ ہے آپ کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، کیسے مکہ میں آپ کے حالات تنگ کیے جا رہے ہیں، الزامات لگا رہے ہیں اور آپ کو یہ کتنا ستا رہے ہیں۔ تو آپ فکر نہ کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ آپؐ یہ نہ سمجھیں کہ اللہ غافل ہے جو یہ ظلم کر رہے ہیں۔ تو پھر پکڑ کیوں نہیں ہوتی اِن ظالموں کی، اِس لیے کہ؛

اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ اللہُ اُکبر۔ بڑے مُشکل لفظ ہیں اس کے اندر اگر آپ دیکھیں گے يُؤَخِّرُ کا لفظ کیا ہے تاخیر ،،ء،خ،ر، کہتے ہیں کہ تاخیر ہو گی مُوخر ہونا لِيَوۡمٍ تو آسان ہے تَشۡخَصُ کا جو لفظ ہے شَخِصَ سے ہے۔ جو اُردو میں ہم لفظ پڑھتے ہیں شخص، یہ وہی لفظ ہے۔ شخص، ش، خ، ص سے ہے۔ شخوص کے معنی ہیں آنکھیں کھلی رکھنا۔ تو 'شخص' کہتے ہیں کھلی آنکھوں والا۔ جب انسان زندہ ہوتا ہے تو اُسکی آنکھ کھلی ہوتی ہے۔ تَشۡخَصُ کہیں گے پھٹی کی پھٹی رہنا، کھلی کی کھلی، بغیر پلک جھپکے ٹک ٹکی باندھ کر دیکھنا، اِس کو عربی میں شُخُوص کہتے ہیں۔ یعنی قیامت کے عذابوں اور وہاں کی فکر و

پریشانیوں کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اور ویسے کیا حال ہو گا اگلی آیت میں دیکھیں۔

مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۗ﴿۴۳﴾ (اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدان قیامت کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے ان کی نگاہیں ان کی طرف لوٹ نہ سکیں گی اور ان کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہو رہے ہوں گے۔

یہ ساری کیفیت جمع کر کے دیکھیں۔ خوف اور دہشت کہ سب نظریں ایک جگہ جمی ہوئی ہیں، یعنی کہ حرکت کرنا بھول گئیں۔ اصل میں میدانِ حشر میں لوگوں کی کیفیت ہے۔ لفظ مُهْطِعِيْنَ خ، ط، ع، خَطَعَ، خِطی کہتے ہیں کشادہ راستے کو۔ مُهْطِعِيْنَ کہتے ہیں عاجزی اور تیزی سے دوڑنے والے کو۔ اُردو میں کہتے ہیں فلاں سرپٹ بھاگا، سیدھا سر اٹھا کے دوڑنا شروع کر دیا۔ انسان کی عادت ہے کہ جب اس کو کسی چیز خوف آتا ہے سے تو پھر وہ اُدھر، اِدھر یا نیچے نہیں دیکھتا بلکہ اُوپر دیکھ کے بھاگتا ہے اور ہو سکتا ہے وہ نیچے کسی کھائی میں گر جائے۔ طَرْفُ کو عربی میں 'پلک' کو کہتے ہیں۔ پلکیں جھکانا، یعنی ان کی نگاہیں منزل پر اس طرح لگی ہونگی پلک نہ جھپکے گی۔ اور مُقْنِعِيْ قَنَعَ سے، ق، ن، ع، قنع کہتے ہیں وہ چیز جس کو سر سے ڈھانپا جائے قبروں سے نکلنے کی کیفیات ہیں کہ جب وہاں سے نکالے جائیں گے تو ان کے حالات کیسے تنگ ہونگے۔ ان کو بتادو یہ کوئی چھوٹی حقیقت نہیں جو سب کے سر پہ کُوک رہی ہے۔ اور حقیقت ہے کہ ہمیں قیامت کے ان سارے مناظر پہ یقین آجائے تو ہماری دُنیا کی سب مستیاں دور ہو جائیں اس لیے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں کہتے ہیں۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ
وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾

اور لوگوں کو اس دن سے آگاہ کر دو جب ان پر عذاب آجائے گا تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں تھوڑی سی مدت مہلت عطا کر۔ تاکہ تیری دعوت (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں (تو جواب ملے گا) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حساب اعمال) نہیں ہو گا۔

قیامت کے دن لوگوں کی دو حسرتیں 1۔ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ، اے اللہ تیری دعوت کو قبول کریں گے۔

2۔ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۭ اور رسولوں کے پیچھے چلیں گے۔ یہ وہ کام ہیں جو دنیا میں کرنے تھے لیکن نہ کیئے اور اب مہلت مانگ رہے ہیں۔ اللہ جواب دیتے ہیں کہ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ تمہارے لیئے کوئی زوال ہی نہیں اب۔ یعنی کیا تم ان لوگوں میں سے نہیں ہو جن کو بڑا زعم تھا کہ ہمارا اقتدار، ہماری شان اور ہمارا اٹیلنٹ، ہماری جائیدادیں کبھی ختم نہیں ہونگیں۔ یہ ہماری پلاننگ ہے، ہم سوچ سمجھ کے کام کرتے ہیں۔ یہ ہماری منصوبہ بندی ہے۔ ہمیں کہاں سے زوال آئے گا۔ بات آگے بھی چلتی ہے آیت 45؛

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

اور جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے تم ان کے مکانوں میں رہتے تھے اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کس طرح (کا معاملہ) کیا تھا اور تمہارے (سمجھانے) کے لیے مثالیں بیان

کر دی تھیں۔

تو یہاں اللہ تعالی نے تذکیرِ بالایام باللہ کی بات کی ہے۔ کہ پچھلی قومیں جن پر عذاب آئے تھے ان کی کہانیاں سن کر تم نے کیا سوچا۔ ان کا حال کیا تھا؟

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٤٦﴾

اور انہوں نے (بڑی بڑی) تدبیریں کیں اور ان کی (سب) تدبیریں خدا کے ہاں (لکھی ہوئی) ہیں گو وہ تدبیریں ایسی (غضب کی) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں۔

اور انہوں نے چالیں چلیں اسلام کے خلاف، نبیؐ کے خلاف، قومِ نوح اور قومِ ثمود کی کہانیاں۔ ہم سب سن چکے کہ برادریوں کے طعنے دیے، نمازوں کے طعنے دیئے، اور آج اللہ کے نبیؐ کے خلاف چالیں چل رہے تھے وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۖ اللہ کے قبضہ قدرت میں ہیں تمام چالیں، اور ان کی چالیں ایسی تو نہ تھی کہ پہاڑ ٹل جاتے۔ اللہ کو ان کی تمام چالوں کا پتہ تھا یہ ممکن نہیں کہ اللہ کی مرضی اور اس کی مشیت کے خلاف کوئی کام ہو جاتا۔ ان کی چالیں اور ان کی منصوبہ بندیاں اللہ کے مقابلے کچھ بھی نہیں تھی لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ یہ جو بات آرہی ہے اصل میں محاورہ ہے۔ اس سے مراد یہ تو نہیں ہے کہ پہاڑ ٹل جائیں اور اپنی جگہ چھوڑ دیں۔ اس سے مُراد ہے کہ اللہ ان سے ڈرتا نہیں ہے۔ اور یہ اللہ کو پکڑ نہیں سکتے۔ اور یہ جو اوپر دعویٰ انہوں نے کیا ہے کہ یہ سب کچھ ہمیں اپنے عمل کے بدلے ملا ہے، پچھلی قوموں کو اپنا بڑا اپن بڑا اعزیز تھا۔ وہ کہتے تھے ہمیں جو ملا ہے اپنے لیے ملا ہے۔ اللہ کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ تو اللہ تعالی کہتے ہیں کہ تم اپنی ساری دنیاوی صلاحیتیں لگا لو اور دنیاوی مال جمع کر لو اور پھر

مجھ سے پوچھو کہ کیا تمہاری ان چالوں سے اللہ ڈرتا ہے۔ یہ لفظ زوال اردو زبان کا ہے زوال کہتے ہیں "نقطہ عروج سے ایک قدم نیچے آنا" بڑا غور طلب لفظ ہے۔ زوال اس دن نہیں آتا جس دن فیکٹری ڈوب چکی ہوتی ہے۔ نکتۂ عروج سے صرف ایک پوائنٹ نیچے آنا۔ تو بندے کا زوال اس وقت شروع ہوتا ہے جب وہ کسی کام کو اعلیٰ درجے پر کرتا تھا۔ اور اب اس سے ایک نقطہ نیچے آ گیا۔

آپ تصور میں سیڑھی لائیں پچاس سیڑھیاں چڑھا۔ پچاسویں سیڑھی اس کا عروج تھی اور پھر اگر وہ 49 پہ کسی وجہ سے آ گیا ہے تو اس کا زوال شروع ہو گیا۔ اس لئے اپنے زوال کو ہم خود روکیں۔ اپنے زوال کو کس چیز سے روکیں کہ عروج یا کسی بھی اعلیٰ درجے کے نقطے پر کام کرتے ہوئے رک گیا۔ جتنا انسان اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑتا ہے، اتنا ہی اس کا کام ڈھیلا ہوتا ہے۔ مثلاً آپ گھر کی صفائی دیکھ لیں صفائی کریں، احتیاط کریں، ایک ہفتہ گھر صاف رہے گا اور جس دن لاپرواہ ہوئے، کپڑے اِدھر اُدھر پھینکے اور ڈسٹنگ نہیں کی، پھر آپ دیکھیں کہ وہ صفائی کی ہوئی ایک دن ہو گی اور گندا گھر ہفتے میں چھ دن ہو گا۔ تو اپنے آپ کو چیک کریں اپنے پڑوس کو، اپنے دین کو اور اپنی کلاسیز کو کہ میں نے نقطۂ عروج سے نیچے نہیں آنا۔ اور دنیاوی اعتبار سے کہتے ہیں کہ دنیا کی دولت اور جاہ و جلال کا کم ہونا۔ آیت 47 میں ہے؛

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ ﴿۴۷﴾ تو ایسا خیال نہ کرنا کہ خدا نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کرے گا بے شک خدا زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔

کیا اللہ اب اپنے اس وعدے کے خلاف کرے گا جو اس نے اپنے رسولوں سے کیا۔ یہاں کہا تو نبی ﷺ کو جا رہا ہے لیکن رسول کی جگہ رُسُل کیوں آیا؟ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف تیرے ساتھ نہیں

بلکہ سب نبیوں کے ساتھ اللہ تعالی کا یہی طریقہ کار رہا ہے، کہ ان کی ہی مدد ہو گی۔ آخری فتح اور کامیابی حق کی ہی ہے۔ اسی طرح سورہ مجادلہ کی آیت نمبر 21 میں ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِىۡ کہ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرا رسول ہی ہر صورت میں غالب آ کر ہی رہیں گے۔ کچھ بیچ میں اونچ نیچ ہوتی ہے تکلیف آتی ہیں، آزمائشیں آتی ہیں لیکن فتح ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔

یہ آزمائشیں کیا ہوتی ہیں اور شروع میں ایک سوال پوچھا تھا کہ اللہ تعالی نے شیطان کو اتنی کھلی چھٹی کیوں دی ہوئی ہے کہ ہمیں بہکاتا ہے۔ ایک مثال ہے کہ اگر شیطان کو کھلی چھٹی نہ بھی دی ہوتی جیسا کہ آگے رمضان آ رہا ہے اور اس میں شیطان باندھ دیا جائے گا لیکن خرابیاں تو پھر بھی ہوں گی۔ تو اللہ نے ہم سب کو آزمائش کے لئے پیدا کیا ہے اسی طرح سورۃ بقرہ کی آیت میں ہے؛

وَلَنَبۡلُوَنَّكُمۡ بِشَىۡءٍ مِّنَ الۡخَـوۡفِ وَالۡجُـوۡعِ وَنَقۡصٍ مِّنَ الۡاَمۡوَالِ وَالۡاَنۡفُسِ وَالثَّمَرٰتِ‌ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَۙ ۔

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے تو صبر کرنے والوں کو (خدا کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔

اسی طرح سورۃ بقرہ کی آیت نمبر 214 میں آتا ہے اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ‌ؕ کہ تم گمان کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے جبکہ تم کو تو وہ تکلیف آئی ہی نہیں جو تم سے پہلوں کو آئی تھیں۔ تو بات کا خلاصہ یہ ہے اللہ کو کوئی ہرا نہیں سکتا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍؕ کیونکہ اللہ تعالی غالب اور حکمت والا ہے۔ یہاں پہ انجام غلط کام کرنے والے کا بتایا ہے۔ اب آگے کچھ قیامت کے منظر ہیں کہ کائنات میں کیا تبدیلیاں آ رہی ہو گی؟

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾

جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ خدائے یگانہ وزبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔

زمین آسمان کو کیوں بدل دیا جائے گا اس لئے کہ میدانِ محشر بنایا جارہا ہے۔ آپ کے گھر میں کوئی چار لوگ آنے والے ہوں تو آپ تبدیلیاں کرتے ہیں اور خاص طور پر جب لوگ زیادہ آنے والے ہوں تو چیزیں اٹھاتے ہیں۔ قیامت کے دن جب اگلے پچھلے سارے جمع ہوں گے تو اس سے پہلے اللہ زمین و آسمان کی تبدیلیاں کرے گا، اُس کی طرف اشارہ ہے۔ محشر کا میدان اسی زمین کو بنایا جائے گا، تبدیلیاں کی جائیں گی جیسا کہ سورۃ فجر میں آتا ہے كَلَّآ إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿٢١﴾ تو جب زمین کی بلندی کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے گی۔

زمین کو کوٹ کوٹ کر اس لیے بھرا جائے گا کہ لوگوں کے کھڑا ہونے کی جگہ بنانی ہے۔ سورہ انشقاق کی آیت نمبر 3 میں آتا ہے وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ کہ جب زمین کو کھینچ کر سیدھا کیا جائے گا تا کہ اس کے بل نکلیں۔ یعنی آپ کی اکاموڈیشن بڑھائی جارہی ہے۔ سب جمع کر کے اونچ نیچ دور کر کے ایک بڑے چٹیل میدان میں رکھا جائے گا۔ سمندر بھاپ بن کے اڑ جائیں گے تو وہ جگہ بھی خشک ہو جائے گی۔ تصور کریں اتنی جگہ پر لوگ آئیں گے، سب پانی ختم اور اس کی جگہ بالکل سیدھی جگہ اور سورج اور چاند کا کیا حال ہو گا، سورہ قیامہ میں آتا ہے وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ۔ سورج اور چاند کو یکجا کر دیا جائے گا۔ ایسے لگ رہا ہے کہ ہر چیز کو سیدھا کیا جارہا ہے تا کہ اس پہ مخلوق کھڑی ہو۔ اگر قیامت کے منظر کو آپ آج ہی ذہن میں رکھیں، تو کیا کچھ سامنے آتا ہے۔

اور اسی طرح سب سائنس کے سیاروں کو بھی سیدھا کیا جائے گا تاکہ سب جمع ہوں وَبَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ، اور یہ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے سامنے جو واحد اور قہار ہے۔ یہ ہے اصل مسئلہ، اور یہ ہے عدالت کی پیشی بَرَزُوۡ کہتے ہیں گمنامی کے بعد ظاہر ہونا۔ کتنا بہترین جملہ ہے کہ کچھ عرصہ لوگ قبروں میں گمنام رہے۔ موت ہماری گمنامی ہی تو ہے۔ ہمارا نام گم ہو جاتا ہے۔ آج آپ کو خاندان کے چار لوگوں کے نام یاد ہیں جو آج سے بیس پچیس سال پہلے فوت ہوئے لیکن اس سے پہلوں کے نام کسی کو بھی یاد نہیں ہے۔ تو ناموں کے گم ہونے کا نام گمنامی ہے ۔ بَرَزُوۡ گمنامیوں کے ظاہر ہونے کو کہتے ہیں۔ قبروں میں گمنام تھے آج دنیا میں تو شہرت پالی۔ مشہور ہو گئے لیکن اگلی نسلوں کو پتہ ہی نہیں ہو گا کہ ان کی قبریں کہاں ہے۔ اور اللہ قہار کے سامنے۔ قہار کا لفظ قہر سے ہے۔ کسی پر غلبہ پا کر اسے ذلیل کرنا، ایسا زبردست غالب کہ جس کے سامنے سب ذلیل ہوں۔ سورہ فجر میں یہ منظر آیت 21 میں آتا ہے : وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالۡمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ وَجِایۡٓءَ یَوۡمَئِذٍۢ بِجَهَنَّمَ اور تمہارا پروردگار (جلوہ فرما ہو گا) اور فرشتے قطار باندھ باندھ کر آموجود ہوں گے ﴿۲۲﴾ اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی

جب جہنم پیش کی جائے گی، یہ سب کیسے ہو گا، ہم نہیں جانتے۔ اور اس کو مان لیتے ہیں لوگوں کا حال کیا ہو گا اور آیت نمبر 49 میں ہے؛

وَتَرَى الۡمُجۡرِمِيۡنَ يَوۡمَئِذٍ مُّقَرَّنِيۡنَ فِى الۡاَصۡفَادِ‌ۚ ﴿۴۹﴾ اور اس دن تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

مجرم زنجیروں میں جکڑے ہوں گے۔ ذرا تصور میں جیل کے قیدی لائیں الۡمُجۡرِمِيۡنَ مجرم کی جمع۔

تو مُّقَرَّنِيْنَ کیا ہے ک، ر، ن، اس کا روٹ ہے۔ مقرن کی جمع مقرینین ہے۔ مقرنَ کہتے ہیں کسی چیز کو دوسری سے ملا کر مضبوط باندھنا۔ مثلاً اونٹوں کے پاؤں کو رسی سے اکٹھے باندھ دیا جانا۔ کیونکہ دونوں کا ایک ایک پاؤں باندھ دیا، اور وہ دونوں بھاگ نہیں سکتے، اس کو مقرن کہتے ہیں۔ اور اس کے بعد اَلۡاَصۡفَادِ ہے صفیدہ صفاد کی جمع۔ صفیدہ کہتے ہیں زنجیریں، طوق۔ کیسے ہو گا کہ یا تو مجرموں کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوں گے یا پھر دو دو مجرموں کو آپس میں اکٹھا باندھ دیا جائے گا۔ جو کسی پر ظلم اور زیادتی میں شریک تھے (اللہ ہمیں اس سے بچا کے رکھے)۔

سَرَابِيۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ وَّتَغۡشٰى وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ۙ‏ ﴿۵۰﴾

ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور ان کے مونہوں کو آگ لپیٹ رہی ہو گی۔

سرابیل، سربل کی جمع اور سربل کہتے ہیں پیراہن کو، شلوار اور قمیض دونوں۔ یعنی ان کے کپڑے قَطِرَان، گندھک یا تارکول کے ہونگے۔ جس میں بدبو بھی بہت ہوتی ہے اور آگ بھی بہت جلدی لگتی ہے۔ وَّتَغۡشٰى وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ۙ ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ رہی ہو گی۔ ان پر غشی طاری ہو گی۔ دنیا میں تو چہرے نہیں ڈھانپتے تھے، تو وہاں آگ سے ڈھانپنے پڑیں گے۔ دنیا میں تو چہرے ڈھانپنے سے دم گھٹتا تھا، سانس رکتا تھا اور بی پی ہائی ہوتا تھا۔ کہا آگ کی لپٹوں سے چہرے کو ڈھانپا جائے گا۔ اور دنیا میں کپڑے پہن کے بھی ننگے دکھتے تھے، لیکن وہاں گندھک کے کپڑے پہننے پڑیں گے۔ اللہ نے کیوں کیا؛

لِيَجۡزِىَ اللّٰهُ كُلَّ نَفۡسٍ مَّا كَسَبَتۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ‏ ﴿۵۱﴾

یہ اس لیے کہ خدا ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دے۔ بے شک خدا جلد حساب لینے والا ہے۔

یہ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ کیسے ہو گا۔ کرتوت تو انہوں نے دنیا میں کیے تھے اور پکڑ جا کے آخرت میں ہو رہی ہے۔ گندھک کے کپڑے اور ان دوسری چیزوں سے۔ تو پتہ کیا چلا کہ آخرت کے مقابلے میں اس دنیا کی حیثیت اتنی تھوڑی ہے کے قیامت کے دن لوگوں کو محسوس ہو گا کہ اللہ نے ہمارا حساب بہت جلدی لے لیا ہے۔ یہ تو آج ہم کہہ رہے ہیں کہ دنیا گزرے گی تو پھر ہو گا، لیکن وہاں جا کے یہ لگے گا کہ یہ سب بہت جلد ہو گیا۔ اور اسی طرح کہتے ہیں کہ انتظار میں وقت زیادہ لگے گا لیکن جب حساب شروع ہو گا تو وہ بہت جلد ہو جائے گا۔ اللہ ہم سب کو بچا کے رکھے۔

یہاں پہ اللہ تعالی نے ہم سب کو جھنجوڑ دیا جو اللہ کے نبیوں کے دشمن، اسلام کے دشمن، جو ہدایت کی جگہ چھوڑ کر ادھر ادھر نظریں لگانے والے، خود کو اور دوسروں کو بھی فتنے میں ڈالنے والے۔ یہ سب کچھ کر کے اگلی آخری آیت میں دیکھیں کتنی خوبصورت آیت ہے۔ میں کہتی ہوں کہ پورا سبق چھوڑ کر اس آخری آیت پہ بات کر لیں تو کافی ہے؛

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنۡذَرُوۡا بِهٖ وَلِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ﴿۵۲﴾

یہ قرآن لوگوں کے نام (خدا کا پیغام) ہے تاکہ ان کو اس سے ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔

هٰذَا لوگوں کو یہ پیغام پہنچاو۔ هٰذَا کی ضمیر هٰذَا الکتاب ہے۔ یہ قرآن، بندوں کے نام اُن کے رب کا پیغام۔ تبلیغ، ابلاغ الفاظ کو چھوڑ کر یہاں لفظ بَلٰغٌ استعمال ہوا ہے۔ یہاں شدت محسوس کریں کہ یہ ہے پہنچا دینا۔ یہ حکم نہیں ہے۔ حکم تو ہم سُنتے ہی رہتے ہیں، کوئی بات نہیں لیکن یہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہہ

رہے ہیں یہ پہنچانا ہے۔ یہ وہ احساس تھا جو اللہ کے نبی کو بوڑھا کر رہا تھا۔ یہ ذمہ داری احسن درجے پہ پوری کرو۔ اللہ کے نبیؐ اپنے اوپر یہ بوجھ محسوس کرتے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے کہتے ہیں کیا میں نے پہنچا دیا، وہی ہے بَلٰغٌ۔ لوگوں نے ایک آواز میں کہا کہ آپ نے نہ صرف یہ پیغام پہنچا دیا بلکہ اس کا حق بھی ادا کر دیا۔ کیسے نہ ادا ہوتا۔ مکہ میں ماریں کھائیں، طائف میں سفر کیئے، مدینہ کی راہوں پر چلے، مدینہ میں دس سال ستائے گئے۔ کوئی اور کس طرح سے پہنچائے۔ لیکن اللہ کے نبی لوگوں کی زبان سے سننا چاہتے تھے کہ کیا میں نے حق دیا۔ جب لوگوں نے کہا ہاں ہم گواہی دیتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا اے اللہ تو گواہ رہنا، اللہ تو گواہ رہنا۔

یہ وہ احساس ہے کہ اگر اس کتاب نے مجھے اور آپکو دے دیا تو ساری باتوں سے بے نیاز ہو کر صبح و شام لوگوں کو اس کتاب کے ساتھ جوڑتے جائیں۔ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے خبردار کر دیے جائیں۔ اس کتاب کے بغیر آنکھیں نہیں کھلتیں۔ لوگوں میں اس کتاب کے بغیر اللہ کا خوف نہیں آ سکتا۔ اس کتاب کے بغیر انسان کی تذکیر کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ سورۃ الانعام آیۃ 19 میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا تاکہ تمہیں بھی آگاہ کروں، اور ہر اس تک پہنچاؤں جس تک یہ پہنچ سکے۔ یہ قرآن کا مقصدِ نزول ہے۔

کوئی آپ سے پوچھے کہ قرآن کیوں نازل ہوا تو ایک جملے میں جواب دیں لیکن وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ کے لوگوں کو ڈراؤ۔ لوگ نڈر بے خوف ہوتے ہیں۔ یہ دنیا ایک مایا جال ہے۔ یہ اپنے اندر ڈبو لیتی ہے۔ اس سے جتنا بچ جائیں گے اتنا ہی بہتر ہے۔ نزدیک سے دیکھیں گے تو خوبصورت لگے گی دور سے دیکھیں گے تو خوفناک لگے گی۔ آپ دور سے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ چھوڑیں یہ عارضی ہیں، مادی چیزیں ہیں، فانی

ہیں۔ لیکن جتنا اس کے نزدیک جائیں گے اتنا ہی اس میں دل لگتا جائے گا۔ اس سے بچنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ خود کو اس سے دور کر لیں۔ ایک بزرگ تھے تو وہ بیٹھے ہوئے جب بہت رعونت چھائی تو کہنے لگے کہ میں تجھے طلاق دیتا ہوں، جا میں تجھے طلاق دیتا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ یہ آپ ابھی کس کو طلاقیں دے رہے تھے تو کہنے لگے میں دنیا سے کہہ رہا تھا کہ میری جان چھوڑ دے، میں نے تجھے طلاق دی۔ اپنے آپ کو آزمائشوں سے فتنوں سے بچائیں۔ آپ بازار کا ایک چکر لگا کے تھوڑے سے پیسوں کی چند چیزیں خریدیں گے لیکن مفت میں بہت سے خیالات اور خواہشات خرید لائیں گے جو آپ کی نمازوں کا خُشوع و خضوع ختم کر دیں گے۔

هٰذَا بَلٰغٌ کے بعد پہلا مقصد لِیُنْذَرُوْا بِهٖ اور اب دوسرا مقصد وَلِیَعْلَمُوْٓا تاکہ وہ یہ جان لیں اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ کہ وہی صرف ایک معبود ہے اکیلا۔ یہ بنیادی مقصد ہے۔ قرآن کا ٹاپک لا الہ الا اللہ ہے۔ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ قرآن ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ اللہ ہے یہ تو سب کو پتہ ہے۔

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے کو نہیں دیکھنا۔ اور تیسرا مقصد نزول ق وَّلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ اور اس لیے کہ اس سے نصیحت اخذ کریں عقل والے۔ عقلمند لوگ اس سے نصیحت لیں۔ یہ اس کتاب کے مقاصد ہیں۔ اور جب عقل والے نہ اسے پڑھیں گے نہ سمجھیں گے تو نصیحت کہاں سے لیں گے۔ اتنا زبردست اینڈ ہے اس سورۃ کا۔ آپ ان سورتوں کو اس طرح نہیں محسوس کر سکتے، لیکن اگر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ کے ان حالات میں جہاں یہ سورتیں اُتر رہی تھیں، اُس ماحول کو سامنے رکھتے ہوئے محسوس کریں تو پھر زیادہ سمجھ آئے گی۔

بعض دفعہ دین کے راستے میں ایسی رکاوٹیں آتی ہیں، لوگ ایسے ایسے روڑے اٹکاتے ہیں کہ دل کرتا ہے کہ سب چھوڑ کے مکہ جا کے بیٹھ جائیں اور اللہ اللہ کرتے رہیں۔ بہت آسان ہے کہ کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں کوئی مجھے جانتا نہ ہو۔ هٰذَا بَلٰغٌ لیکن انسان کو اس طرح تڑپ لگ جاتی ہے کہ میں نے دین کا کوئی کام کرنا ہے، لوگوں تک دین پہنچانا ہے۔ میں بھی آپ کے پاس اس لیے ہوں کہ کسی طرح یہ پیغام آپ سب تک پہنچ جائے۔ ہماری طرف سے اتنا ہی کام ہو گا پہنچانے تک کا۔ زیادہ کام آپ کی طرف سے ہو گا۔

هٰذَا بَلٰغٌ چلتے پھرتوں کو دعوت دیں۔ یہ اکیلے کھانے والا سودا نہیں ہے۔ یہ اتنی خوبصورت کتاب ہے کہ اگر آپ کے دل کو لگتی ہے تو آپ کبھی بھی اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ الحمدللہ اللہ نے صورت پوری کروادی۔